پروفیسر قدوس جاوید
شعبہ اردو، کشمیر یونیورسٹی

شاہ ہمدان کی شاعری کا

تعمیری کردار

اپنی جڑوں سے مضبوط، معاشرہ، ثقافت اور شعریات کے اندر پروان چڑھنے والی زبان کی شاعری بھی اتنی زندہ زرخیز اور پُر امکان ہوتی ہے کہ خواہ کسی بھی معاشرہ اور ثقافت میں کوئی نہ چلی جائے جذب ولجذاب اور تعمیر وتبدل کے مراحل سے گذرتے ہوئے مقامی معاشرہ اور ثقافت میں بھی جدّت طرازیوں کے گُل بوٹے کھلاتی ہی رہتی ہے۔ کشمیر میں فارسی شاعری کے آغاز وارتقا اور مزاج ومعیار کا مطالعہ فارسی شاعری کی اس غیر معمولی قوت کے حوالے سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

ہم گریرسن کے اس قول سے کہ ''براعظم کی تمام جدید زبانیں آپ بعرش ہی کے بچے ہیں'' انکار نہیں کرتے۔ لیکن اس حقیقت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ ان میں سے اکثر بچوں کو لسانی، صنفی، شعری اور فکری اعتبار سے اپنے پاؤں پھر کھڑے ہونے، چلنے اور دوڑانے کا حوصلہ فارسی زبان اور شاعری نے ہی بخشا ہے۔ کہیں براہ راست گود میں لے کر تو کہیں سبک ہندی کے توسط سے خاص طور پر وہ شے جسے لسانی وشعری تہذیب (Culturology) کہتے ہیں اور جسکے

عناصر ترکیبی میں لطافت ونزاکت، فصاحت و بلاغت اور سوز و گداز وغیرہ صفات شامل ہیں اکثر جدید زبانوں کو فارسی زبان اور شاعری ہی کی دین ہے۔ کمال یہ ہے کہ فارسی زبان اور شاعری نے یہ کارنامہ ہر جگہ مقامی معاشرتی اور ثقافتی تشخص کا احترام کرتے ہوئے انجام دیا ہے۔ ہاں مقامی رنگ پر اسلامی رنگ کا غالب آ جانا بھی ایک سچائی ہے۔ لیکن اسکی داستان طویل ہے ویسے تاریخ کے حوالے سے اتنی بات تو سبھی جانتے ہیں کہ مسلمانوں کی ہند آمد سے قبل ہی اپنی ہزار سالہ تاریخ کے ساتھ فارسی زبان اور شاعری بعض تحفظات اور منشیات کے باوجود، اسلامی ثقافت اور شعریات کے اثر ونفوذ سے سرشار ہو چکی تھی بلکہ تقلیب و تطہیر کے مرحلوں سے گذر کر اپنی شعریات کو اس سانچے میں ڈھال چکی تھی جسے اسلامی شعریات کہتے ہیں۔ ہاں ہندوستان بت پرست معاشرت ثقافت اور شعریات پر فارسی زبان اور شاعری کے حوالے سے، اسلامی رنگ کیسے غالب آتا گیا یہ مطالعے کا ایک الگ موضوع ہے۔ پھر بھی مختصراً چند تاریخی نکات از سرنو روشن کرتے چلیں تو مضائقہ نہ ہوگا۔ کیونکہ ان نکات کا تعلق بہر حال کشمیر میں فارسی زبان اور شاعری کے آغاز وارتقا اور شاہ ہمدان کی شاعری کے مزاج ومعیار سے بھی ہے مثلاً ۷۱۲ء میں محمد بن قاسم کی فتحِ سند اور ملتان سے ملا کر ۱۰۰۱ء میں محمود غزنوی کے حملوں اور پھر ۱۳۰۱ء تک سندھ ملتان اور پنجاب سے لے کے شمال میں مرٹھ دہلی اور نواح دہلی کے علاقوں پر گود اور آل محمود کے تسلط اور پھر بابر کی فتح ہند تک کا زمانہ تقریباً ۵۰۰ سال کو محیط ہے۔ اس عرصہ میں شمالی ہندوستان کے ایک بڑے علاقہ پر اسلامی معاشرت اور ثقافت کے ساتھ ساتھ فارسی زبان اور شاعری کا غلبہ قائم ہو چکا تھا۔ اس دوران امیر کبیر شاہ ہمدانؒ کی پیدائش ۱۳۱۲ء سے دو سال قبل ۱۳۱۰ء میں سلطان علاء الدین علی کا لشکر جرار دکن اور مالوہ کے خشک وتر کو زیر وزبر کرتا ہوا کم وبیش پورے جنوب پر نہ صرف قابض ہو چکا تھا بلکہ بنیادی طور پر فارسی کے ہی توسط سے یہ پورا علاقہ اسلامی

معاشرت اور ثقافت اور شعریات کے نور سے منور بھی ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس عرصہ میں شمالی و جنوبی ہند کے دوسرے علاقوں کی طرح وادی کشمیر میں بھی اسلام کی روح پرور ہوائیں چلنے لگی تھیں شاہ ہمدان کی کشمیر آمد سے چند سال قبل ہی، ترکستان کے سید زادے شیخ شہاب الدین سہروردی کے شاگرد حضرت بلبل شاہؒ کے ہاتھوں رینچن شاہ کے مشرف بہ اسلام ہونے کے بعد کشمیر میں نہ صرف مسلم حکومت قائم ہوئی ہے بلکہ معاشرتی ثقافتی اور لسانی نظام میں بھی اسلامی عناصر کا غلبہ دن بہ دن بڑھتا جاتا ہے۔ خاص طور پر نظم و نسق میں مسلمانوں کی مشمولیت اور سرکاری دربار اور بازار میں سنسکرت کے ساتھ ساتھ فارسی زبان کی حصہ داری سے ہر سطح پر اسلام کے برکات و فیوض کے عام ہونے کی شروعات ہوتی ہے۔ چنانچہ بقول منور مسعودی ۱۳۴۰ء میں شہمیری دور کے سلطان شہاب الدین کے عہد حکومت میں جب پہلی بار کشمیر میں سید امیر کبیرؒ کا ورود مسعود ہوتا ہے تو اس وقت تک اسلام، اسلامی معاشرت، ثقافت اور فارسی زبان و شاعری کے لیے اس ایران صغیر وادی کشمیر کی زمین ہموار ہو چکی تھی۔ گریرسن کے ''دی امپیریل گزٹیر آف انڈیا اور ڈاکٹر تاراچند کے ''تمدن ہند پر اسلامی اثرات'' سے لے کر جمیل جالبی کی تاریخ ادب اردو تک متعدد تصنیفات میں بار بار لیا گیا ہے کہ چودھویں صدی کے وسط تک آ کر جبکہ امیر کبیر شاہ ہمدانؒ کی کشمیر آمد ہوتی ہے۔ کشمیر سمپت براعظیم کے ایک بڑے علاقے میں فارسی زبان طبقہ شرفا کی کم و بیش لنگوا فرینکا بن چکی تھی اور دوسرے طبقوں کی زبانیں اور بولیاں بھی فارسی کے لسانی نظام کے قریب آنے لگی تھیں اور یہ اسی کا نتیجہ ہے کہ سندھ، پنجاب، ملتان، دکن، گجرات، راجپوتانہ، مہاراشٹر اور دلی اور نواحِ دلی سے لے کر کشمیر تک..... بنیادی طور پر فارسی اور فارسی سے متاثر زبانوں ہی کے توسط سے اسلامی معاشرت اور ثقافت کا آفتاب تازہ بڑے کروفر سے اُجالے بکھیرتا رہتا ہے۔ اس اعتبار سے نظم میں فارسی زبان اور شاعری کے آغاز وارتقا کی

داستان اس خطہ میں دین اسلام کی توسیع واشاعت کی بھی داستان ہے اور شاہ ہمدان اس داستان کا روشن باب ہیں یوں تو شاہ ہمدان کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں لیکن بنیادی طور پر وہ داعی اسلام تھے اور ان کی شعری ونثری سرگرمیوں کی غرض و غایت بھی دین اسلام کی تبلیغ واشاعت ہی ہے...... پروفیسر غلام رسول ملک نے ''چہل اسرار- غزلیات شاہ ہمدان'' مرتبہ پروفیسر منور مسعودی کے پیش لفظ میں لکھا ہے کہ:

''......نظم ونثر میں ان کی کِلک گوہر بار سے جو کچھ صادر ہوا ہے وہ بھی ان کی دائمانہ حیثیت کا ایک پرتو ہے اور اسکی مناسب تفہیم اور تعین قدر کے لیے اس بات کا ذہن نشین رہنا بہت ضروری ہے بالفاظ دیگر انکی شاعری تبلیغی یادینی شاعری ہے اور اسے اِسی حیثیت سے پرکھا جانا چاہیے''۔

شاہ ہمدان کی شاعری:

بحثیت مجموعی دینی اور تبلیغی شاعری ہے یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے۔لیکن شاہ ہمدان کی شاعری، اگر فارسی خصوصاً فارسی۔غزل کی شعریات کے حوالے سے بطور شاعری پڑھی۔اور قبول کی جائے تو معلوم ہوگا کہ شاہ ہمدان کی شاعری کی صرف اور محض اس وجہ سے بڑی شاعری نہیں ہے کہ اس کا سرچشمہ دین اور مقصد تبلیغ ہے۔ بلکہ اس وجہ سے بھی بڑی شاعری ہے کہ شاہ ہمدان نے اپنی غزلوں میں لسانی وشعری اور فنی و جمالیاتی مضمرات کو اس غیر معمولی شاعرانہ مہارت کے ساتھ برتا ہے جو مہارت کسی بھی شاعری کو بڑی شاعری بناتی ہے۔اس کا اندازہ شاہ ہمدان کے درج ذیل اشعار سے لگایا جاسکتا ہے۔

۱۔ گرہمی قاف قربی بال ہمت برگشا
درفضای لامکان باقدسیاں انبازشو

(غزل ۵۔شعر:۸- اگر تم کوہ قاف کے عنقا ہو تو ہمت کے پر کھول دو اور لامکان کی فضاؤں میں پرواز کر کے فرشتوں کے ہمراہی بن جاؤ۔

۲۔ چو در دریائے وحدت گُم نہ گشتی

از انت دُرِ عرفاں در شکم نیست

(غزل ۴، شعر:۷- چونکہ تم نے دریائے وحدت کی غواصی نہیں کی ہے اس لیے تمہارے وجود کے اندر عرفان و ادراک کے موتی نہیں ہیں۔

۳۔ گر آتشِ فراقش با صبر یار بودی

اندوہ اشیاقش در دیدہ خار بودی

(غزل:۶-شعر:۱- اے کاش کہ معشوق سے جدائی کی آگ کے ساتھ ساتھ دیدار یار کے لیے صبر کی طاقت بھی ملی ہوتی اور شوق دیدار کا کرب آنکھوں میں کانٹے کی طرح کھٹکتا رہتا۔

۴۔ چوں جمالش را نظر خورشید تاباں میکُند

آفتاب از رشک حسنش روی پنہاں میکُند

(غزل:۱۶، شغر:۱- چمکتا ہوا سورج بھی جب اس کے حسن و جمال کو دیکھتا ہے تو وہ بھی رشک حسن سے اپنا چہرہ چھپا لیتا ہے۔

یاد رہے کہ چہل اسرار کی غزلیں، معجزاتی طور پر ہی سہی چودھویں صدی کے اخیر میں وجود میں آئی ہیں۔ لہٰذا جائزہ لیں تو معلوم ہوگا کہ شاہ ہمدان کی غزلوں میں بھی انہیں فنی اور جمالیاتی اقدار کو برتا گیا ہے جن کا رواج اُس دور تک کی غزلوں میں ملتا ہے، مثلاً

۱۔ شاہ ہمدان کی غزلوں میں بھی مطلع و مقطع کا اہتمام ملتا ہے، بعض غزلوں میں حسن مطلع کے طور پر بھی اشعار لائے گئے ہیں۔

۲۔ شاہ ہمدان کے مقطع کے اشعار میں بطور تخلص کہیں علائی اور کہیں علی لایا گیا ہے۔

۳۔ شاہ ہمدان کی زیادہ تر غزلیں چھوٹی رواں بحروں میں ہیں جس سے قاری کو شعر کی قرأت میں اور معنی کو فہم سنجی میں آسانی ہوتی ہے۔

۴۔ شاہ ہمدان کی غزلوں میں عام طور پر ترنم خیز ردیف وقوافی استعمال ہوا ہے جن سے قرأت کے نتیجے میں غنائیت کا اخراج بلا روک ٹوک فطری طور پر ہوتا ہے۔

۵۔ دیگر شعرا کی طرح شاہ ہمدان کی غزلوں میں بھی اشعار کی تعداد میں یکسانیت نہیں۔ غزل میں اشعار کی کم سے کم تعداد کسی نے تین کسی نے پانچ بتائی ہے اور زیادہ سے زیادہ گیارہ سے پچیس تک بتائی گئی ہے۔ لیکن یہ سب مفروضات ہیں غالب کے یہاں دو شعر کی غزلیں بھی ہیں اور تین شعر کی بھی۔ شاہ ہمدان کی اکثر غزلیں ۹-۱۹ اشعار پر مشتمل ہیں۔ کم سے کم ۷ اشعار کی غزلیں ہیں اور زیادہ سے زیادہ ۱۵ اشعار کی غزلیں ملتی ہیں۔ اساتذہ کے یہاں غزل کے اشعار کی تعداد طاق رکھنے کی روایت رہی ہے لیکن اس کا کوئی منطقی جواز نہیں۔ شاہ ہمدان کی غزلوں میں بھی اشعار کی تعداد زیادہ تر طاق ہی ہے لیکن ۱۲ اشعار پر مشتمل غزلیں بھی ہیں۔

۶۔ شاہ ہمدان کی غزلوں میں بھی ہر شعر معنوی اعتبار سے آزاد حیثیت رکھتا ہے۔ لیکن فکر کی متعین سمت اور شاعری کے طئے شدہ مقصد کے سبب علامہ اقبال کی طرح شاہ ہمدان کے بھی اکثر اشعار میں معنوی ارتباط وارتقا کی کیفیت ملتی ہے۔ اس لیے آج کی زبان میں شاہ ہمدان کی اکثر غزلوں میں بین المتونیت (Intertextuality) بھی ملتی ہے اور متن پر متن قائم کرنے کی مثالیں بھی۔

۷۔ شاہ ہمدان کی غزلوں کا اسلوب بنیادی طور پر استعاراتی ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ شاہ ہمدان کو پتہ تھا کہ غزل کی پہلی اور آخری پہچان اس کی داخلیت، غیر واقعیت اور بالواسطگی ہے۔

اور غزل میں خارجی فکری اور نظریاتی خیالات و تجربات کو تشبیہ و استعارہ کی مدد سے ہی بیان کیا جاسکتا ہے۔ اسی لیے شاہِ ہمدان کی غزلوں میں تشبیہ استعارات کا ایک قابلِ قدر سرمایہ ملتا ہے۔

۸۔ غزل کثرت الفاظ کا نہیں کفایت الفاظ کا فن ہے۔ اور بڑا شاعر وہ ہے جو شعر کی زمین۔ یعنی بحر، وزن، ردیف و قافیہ کی اوقات ذہن میں رکھ کر کم سے کم الفاظ کے لسانی برتاو سے شعر میں معنی و مفہوم کے زیادہ سے زیادہ امکانات پیدا کرے۔ شاہ ہمدان کے اشعار میں معنی و مفہوم کی کم ریزی Dissemination کا یہ عمل عمدہ صورتوں میں ملتا ہے۔

۹۔ شاہ ہمدان کی غزلوں کے متون بھی دو طرح کے ہیں ایک وہ جسے سبقی متن یا Readerly Text کہتے ہیں اور جو قاری کے ذوق اور معیار سے مطابقت رکھتے ہیں۔ ایسے متون سے قاری وہی معنی و مفہوم اخذ کرتا ہے جو شاہ ہمدان قاری تک پہنچانا چاہتے ہیں۔ لیکن دوسری طرح کے بعض متون ایسے ہیں جنہیں تخلیقی متون Writerly test کہا گیا ہے۔ ایسے متون معنیاتی اور جمالیاتی امکانات کی ترسیل کے لیے منتخب قاری اور مخصوص قرأت کا تقاضہ کرتے ہیں۔ چہل اسرار کی غزل نمبر: ۶، ۷، ۹، میں ایسے متون ملتے ہیں۔

۱۰۔ شاہ ہمدان کی غزلوں میں ارضیت زیادہ ہے۔ وہ حق و معرفت کی باتیں شاعرانہ صنعت گری کے ساتھ کرتے ہیں۔ اکثر مبالغے سے بھی کام لیتے ہیں لیکن پھر بھی ان کے اشعار اتنے پیچیدہ نہیں کہ فہم و فراست سے ماورا ہو جائیں۔

شاہ ہمدان کی غزلوں کے ان عمومی صنفی اور شعری امتیازات کے ذکر کے بعد اگر ان بنیادی خصائص کا جائزہ لیں جن پر چہل اسرار کی عظمت اور معنویت کا انحصار ہے تو دو باتیں سب سے پہلے سامنے آئینگی۔

اول یہ کہ چہل اسرار کی شاعری، اسلامی نظریہ جمال کی تابع شاعری ہے جو اسلامی معاشرت اور

ثقافت کی تشکیل میں معاون ثابت ہوتی ہے۔

دوئم یہ کہ ہر چند کہ چہل اسرار، غزلیات کا مجموعہ ہے لیکن اسکی غزلیں اپنے فکری اور معنیاتی نظام کی بناپر--غزلیہ شاعری کے کلیدی عناصر یعنی حسن وعشق اور رندی وسرمستی کے رسمی اور اصطلاحی مفاہیم کو ترک کر کے شاہ ہمدان کی شاعری کو پاکیزہ مقدس اور تعمیری قلب ماہئیت کی شاعری بناتی ہیں اور جیسا کہ ہم جانتے ہیں--اسلامی نظریہ جمال کی رُو سے فن کی عظمت وعلویت کے لیے فن میں اعلیٰ تعمیری مقصدیت کی موجودگی کو آرائش فن کے لوازمات کے برتاو پر فوقیت حاصل ہے۔ گرچہ اعلیٰ تعمیری مقصدیت ہی حُسن اصلی ہے لیکن اس حُسن کے فنی اظہار کو حسین بنانے کے لیے ضروری ہے کہ فنی اور جمالیاتی تقاضوں کو بھی موزونی وکمال اور تناسب واعتدال کے ساتھ برتا جائے۔ اس طرح کے تخلیقی رویہ Creative Attitude کے سبب ہی فن میں بوقلمونی، موزونیت، جامعیت اور پاکیزگی پیدا ہوتی ہے۔

اسلامی نظریہ جمال کا دوسرا پہلو ''تخلیق بالحق'' یا ''تخلقو ابا خلاق اللہ'' ہے جس کے مطابق فن میں ''تخیل وتصور'' پر ''تعمیل وتفکر'' کو ترجیح حاصل ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسلامی نظریہ جمال کی رو سے وہی فن یا شاعری اعلیٰ وعمدہ شاعری ہے جس میں تنظیم وتہذیب سے عاری بے مقصد اور خام جذبات وخیالات کے بجائے منظّم، مربوط، مہذب با مقصد اور تعمیری افکار و نظریات کا اظہار کیا گیا ہو۔ کیونکہ ایسی ہی شاعری نہ صرف یہ کہ صوری ومعنوی اعتبار سے حسین و جمیل ہوتی ہے بلکہ انسان کو ظاہری اور باطنی، انفرادی اور اجتماعی ہر لحاظ سے حسن وخوبی کا پیکر بننے میں بھی ممد ومعاون ثابت ہوتی ہے۔ شاہ ہمدان کی شاعری ایسی ہی شاعری کے زمرے میں آتی ہے۔ یادداشت کے لیے صرف دو اشعار سامنے رکھ سکتے ہیں۔

از ہوائی نفس گر یکرہ خلاصی باشدش

درہوائی لامکاں لاف از ملک افزوں زند

(غزل: ۲۲، شعر: ۵- ہوائے نفس سے اگر دِل خلاصی حاصل کر لے تو لامکان کی خواہش میں وہ فرشتوں سے یعنی بلند و برتر ثابت ہوگا)

تو کوئی دوست ہمی جوئی ونمیدانی

کہ گر نظر بہ حقیقت کُنی تو آن کوئی

(غزل: ۲۸، شعر۲-تم کوچہ یار کی تلاش میں ہو اور نہیں جانتے کہ در حقیقت خود تم ہی وہ کوچہ ہو یعنی انسان خود اپنے اندر ہی خدا کی تلاش کر سکتا ہے۔

شاہ ہمدان نے طرح طرح کے مضامین اپنی غزلوں میں بیان کئے ہیں اور غزل میں، حسن و عشق اور آزادہ روی کے ساتھ ہی تصوف بھی بنیادی موضوع رہا ہے۔ اور اسلامی تصوف میں سب سے زیادہ وقعت عشق حقیقی کو حاصل ہے لیکن بعض شعرا کے یہاں عشق حقیقی کو عشق مجازی کے پردے میں پیش کرنے کا جو رجحان ملتا ہے اسکے اپنے غیر اسلامی معاشرتی اور ثقافتی اسباب ہیں۔ شاہ ہمدان کی صوفیانہ شاعری کا امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے اپنے چند ایک اشعار میں حقیقت کو مجاز کے سانچے میں ڈھال کر پیش تو کیا ہے لیکن اس طرح کہ مجاز کے آئینے میں حقیقت کا نظارہ کیا جا سکتا ہے مثلاً

قبلۂ دل آفتاب روی اوست

کعبہ جان خاکِ راہ کوی اوست

چون زِ زُلفش گشت عالم مشکبوی

دوستی این و آن بر بوی اوست

کفر و دین و نور و ظلمت در جہان

از رُخ ماہ و شب گیسوی اوست

(غزل:۲،شعر:۱،۲،۳-اس کا آفتاب کی طرح روشن چہرہ،قبلہ دل وجاں ہے اور اسکے کوچے کی گرد راہ کعبہ جان وایمان ہے۔)

اس کی زلفوں کی خوشبو سے جب یہ سارا عالم معطر ہوگیا تو اسی خوشبو کے طفیل دنیائے محبت واخوت وجود میں آئی۔اور دنیا میں کفرودین اور نور وظلمت معشوق کے چاند سے چہرے اور سیاہ زلفوں کے سبب ہی وجود میں آئے ہیں دراصل بیرون ہند سے ہندوستان آنے والے صوفیا اور مشائخ مثلاً خواجہ معین الدین چشتی ، خواجہ فریدالدین گنج شکر، حضرت نظام الدین اولیا، شیخ عبدالقادر گیلانی، خواجہ باقی باللہ اور شیخ احمد سرہندی وغیرہ نے الگ الگ علاقوں میں اسلام اور اسلامی تصوف کو اسکے حقیقی خط وخال میں برقرار رکھتے ہوئے اس کی توسیع وتبلیغ کی جو کوششیں کی تھیں۔کشمیر میں شاہ ہمدان کی شاعری بھی اسی کی ایک شکل ہے۔اسلامی تصوف کی رو سے قرب الٰہی کا واحد ذریعہ عشق ہے اور وحدت الوجودی عقیدے کے مطابق عشق کی انتہا فنافی اللہ ہے۔ شاہ ہمدان کی شاعری میں فنافی اللہ کے حوالے سے کثرت سے اشعار ملتے ہیں۔مثلاً:

اگر فانی شوی در بحر توحید

عیان بنیی کہ آنجا کیف وکم نیست

(غزل:۴،شعر:۹-اگر تم توحید کے سمندر میں فنا ہوجاؤ تو بے قیل وقال تم پر سب کچھ عیاں ہوجائے گا۔)

قطرہ بہ دریا شدہ، مطلق بجا شدہ

بحرِ محیطِ قدم قید شدہ در حدود

(غزل:۸،شعر۷-قطرہ دریا میں ملِ گیا اور اسکی وجہ سے بحرمحیط کی روانی بھی حدود میں مقید ہوگئی۔)

جیسا کہ اوپر ذکر ہو چکا ہے شاہ ہمدان کی شاعری غزلیات پر مشتمل ہے۔ اور روایتی معنوں میں غزل کا بنیادی وصف تغزل ہے۔ عام تصور یہ رہا ہے کہ غزل میں تغزل مخصوص مضامین، مخصوص لب ولہجہ اور مخصوص زبان کے برتاؤ سے پیدا ہوتا ہے۔ مخصوص مضامین سے مراد حسن وعشق، حق ومعرفت، تصوف واخلاق، رندی وسرمستی اور سوز وغم کے مضامین ہیں لیکن متوسطین نے جن میں شاہ ہمدان بھی شامل ہیں رندی وسرمستی جیسے مضامین کو رسمی اور اصطلاحی معنوں میں نہیں بلکہ پاکیزہ اور تعمیری معنوں میں برتا ہے۔ حافظؔ، سعدیؔ، اور بیدلؔ سے لے کر اقبال تک کے یہاں رِندی وسرمستی کے مضامین کے بیان سے مخصوص الفاظ تراکیب اور اصطلاحات کے پاکیزہ اجتیادی معنوں میں استعمال کی مثالیں بھری پڑی ہیں۔ اِسی طرح شاہ ہمدان نے بھی اپنی غزلوں میں ایسے الفاظ وتراکیب کو حق ومعرفت کے مضامین بیان کرنے کے لیے استعمال کر کے تغزل کی ایک مقدس فضا پیدا کی ہے۔ مثلاً یہ اشعار دیکھئے۔

چوں در دیاض اُنس شراب بقا مپشید
خوش تیغ ترک بر رخ دار الفنا زنند

غزل:۹، شعر:۸- جب وہ گلستان محبت میں شراب بقا کا مزا چکھتے ہیں تو وہ فرط مسرت کی تلوار کو دار الفنا سے ٹکراتے نظر آتے ہیں۔

بادہ غم نوش اگر خواہی رہائی زین خمار
راہِ رندان گیر گر جوئی تو قرب آنجناب

غزل:۲۶، شعر:۶- تم اگر مستی وخمارِ دنیا سے چھٹکارا چاہتے ہو تو اس کے غم کی شراب پیو۔ اور اگر تم اسکی قربت کے خواہاں ہو تو رندوں کا طریقہ اختیار کرو۔

اسی طرح تغزل کی دوسری شرط یعنی نرم اور دھیمے لہجے کا استعمال بھی شاہ ہمدان کی غزلوں

میں کامیابی کے ساتھ ہوا ہے خواہ الفاظ سے حزنیہ تاثرات پیدا ہوئے ہوں یا نشاطیہ، بلکہ پاکیزہ اور تعمیری مضموں آفرینی کے لیے بھی جہاں حسن وعشق کے تصورات ایک حد تک رنگ مجاز میں پیش کیے ہیں وہاں یہ نرم لہجہ لطیف جذبہ کے ساتھ مل کر ایک دلکش رومانی فضا بھی پیدا کرتا ہے۔ مثلاً یہ شعر

بوئی ز زلف آنمہ بگذشت در دو عالم
ذرات کون از آن بوئی سرمست افتادند

غزل: ۲۷، شعر: ۳ - میرے محبوب کی زلف سے خوشبو کا ایک جھونکا دونوں عالم میں پھیل گیا۔ جس سے کائنات کا ہر ذرّہ مدہوش ہو گیا ہے۔

مخصوص ومنفرد زبان کا استعمال صرف تغزل نہیں بلکہ شاعرانہ عظمت وانفرادیت پیدا کرنے کے لے بھی ضروری ہے۔ اسی لیے ہر بڑے شاعر کی طرح شاہ ہمدان کی شاعری میں بھی نادر افکار وخیالات کے اظہار کے لیے نئے الفاظ وتراکیب کی ایجاد واختراع اور ان کے فنکارانہ لسانی برتاؤ کی عمدہ مثالیں ملتی ہیں۔ اسی لیے شاہ ہمدان کے دینی اور تعمیری افکار، شاہ ہمدان کی شاعرانہ مدت سے پگھل کر شعری تجربہ کے سانچے میں دھُل کر وہ حسن آہنگ پیدا کرتے ہیں جو شاہ ہمدان کی شاعری کو عظمت وانفرادیت بخشتے ہیں۔ چنانچہ شاہ ہمدان اپنے جذبہ واحساس، فکر و خیال اور شعری تجربہ کے اظہار کے حوالے سے نادِر الفاظ وتراکیب کا قابل قدر سرمایہ بھی فراہم کرتے ہیں۔ مثلاً کوئے مفلسی، آب دیدہ، صید شاہین، زیور ذکر، سالک راہ وصل، قبلۂ دل، نرگس جادو، بحرِ نومید، دُرِّ عرفان، ہمائے قاف، آتش فراق، اندوہ اشتیاق، روضۂ وصال، ملامت گاہ عشاق، مصرِ دِل، داغ اِرادت، مستان جام شوق، تیر نیاز نقاب وغیرہ۔

ان الفاظ وتراکیب کی روشنی میں صرف شاہ ہمدان کی فکری نہج کا ہی نہیں الفاظ کے

لسانی برتاو اور اظہار کے تخلیقی رویّہ کا بھی بخوبی اندازہ ہو جاتا ہے۔ دراصل شعر میں تراکیب کے استعمال کے جتنے بھی فوائد بیان کئے گئے ہیں یعنی اختصار، جامعیت، بلاغت اور زور بیان وغیرہ وہ سارے شاعرانہ فوائد چہل اسرار کے اشعار میں بہ تمام وکمال سامنے آتے ہیں۔ اس ضمن میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ شاہ ہمدان کی اکثر غزلوں میں الفاظ وتراکیب کے نادِر لسانی وشعری برتاؤ کے ذریعے صوتی آہنگ پیدا کرنے کی بھی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں مثلاً چہل اسرار کی ۲۰ ویں غزل کے یہ اشعار دیکھئے۔

از کنارِ خویش می یابم دمادم بوی یار　　زان ہمی گیرم بہر دم خویشتن را در کنار

چوں کنارم را میانی نیست پیدا ہر زمان　　در میان خونِ دِل جانم گمش را کرد کنار

غزل: ۲۰، شعر: ۱، ۲- میں اپنے محبوب کی رعنائیاں ہر وقت اپنے قریب پاتا ہوں اور اسی لیے میں اسکی جانب کھنچا چلا جاتا ہوں۔

میں ہر وقت اُسے (اپنے محبوب کو) اپنے قریب پاتا ہوں اسی لیے اُس (سے جدائی) کا غم میرے دل کی گہرائیوں میں جاگزیں ہے۔

شاہ ہمدان کی بعض غزلوں (مثلاً غزل: ۲، ۱۰ وغیرہ میں مترنم ردیف وقوافی کے التزام سے بھی غنائیت سے بھرپور صوتی آہنگ پیدا کرنے کا رجحان ملتا ہے۔ اس ضمن میں شاہ ہمدان نے قرآنی آیات، الفاظ وتراکیب کا استعمال بھی آزادانہ کیا ہے۔

غرض یہ کہ شاہ ہمدان کی غزلوں کے مجموعے چہل اسرار کے، لسانی وشعری، فنی وفکری اور جمالیاتی اسرار کے اور بھی کئی پہلو ہیں جن پر گفتگو ہو سکتی ہے پھر بھی مندرجہ بالا سطور میں جن چند نکات سے بحث کی گئی ہے ان کی روشنی میں شاہ ہمدان کی شاعری -- خاک پائے رسول عربی ﷺ کی برکتوں سے سرفراز، ہندوستان آنے والے ان بزرگان دین کی مسلسل اور اجتماعی سرگرمیوں کا

ایک حصہ ہے جس کا مقصد بلند و پاک پہاڑوں، لق و دق صحراؤں اور ناپیدا کنار دریاؤں پر مشتمل اس برِ عظیم کو دین مصطفیٰ کے زیرِ سایہ لانا تھا۔

شاعری ذات کے اندروں میں ٹھاٹھیں مارتے ہوئے جذبہ و احساس، فکر و دانش کے فطری اور بے محابہ اظہار کا نام ہے تو پھر شاہ ہمدان کی غزل بھی اُس معشوق حقیقی کے وصل کے ذوق و شوق میں سالک کے اضطراب کسک اور تڑپ کے اظہار سے ہی عبارت ہے۔ لہٰذا صوفیانہ اور دینی و تبلیغی مزاج رکھنے کے باوجود شاہ ہمدان کی غزلیں تغزل کی مقدس فضا سے معمور ہیں اور فارسی اور اردو غزل کی شعریات کے جو بنیادی تعمیری امتیازات ہمارے عظیم شعرا کی غزلوں میں ملتے ہیں ان کا سلسلہ کہیں دور کہیں قریب سے شاہ ہمدان کی غزل کی شعریات سے ملتا ہے۔ لہٰذا سچ تو یہ ہے کہ چودھویں پندرھویں صدی میں جبکہ دراوڑی اور آریائی تہذیبوں کے زیرِ اثر سنسکرت سے لے کر اپنبشدوں تک کی شاعری لذت پرستی کی دلدل میں ڈوب چکی تھی اور براعظم کی جدید زبانوں میں بھی کنگھی چوٹی بلکہ جنسی لذتیت سے بھرپور شاعری کا رواج عام ہو چکا تھا۔ ایسے میں اگر مسعود سعد سلمان، بابا فرید، شرف الدین یحیٰ منیری، بوعلی شاہ قلندر، بہاء الدین باجن اور قاضی محمود وغیرہ کے ساتھ ساتھ امیر کبیر شاہ ہمدان کی دینی اور تبلیغی تعمیری شاعری سامنے نہ آئی ہوتی تو آج ہندوستانی معاشرت اور ثقافت میں اسلامی رنگ و بو کے اتنے اور ویسے نظارے بھی نہ ہوتے جتنے اور جیسے نظاروں کے درمیاں ہم اور آپ جی رہے ہیں۔